

ڈاکٹر فرزانہ کوبک

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

محمد خالد اختر کی کردار نگاری میں تہذیب و ثقافت کی پیش کش

Abstracts

Presentation of Civilization and Culture in the Characterization of Khalid Akhtar

**By Dr. Farzana Kokab, Associate Professor,
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University,
Multan.**

Presenting any culture and society through its characters is a life-changing task for any artist. Character is the name of the inner state that brings about the process. Writers express their creativity through their characters. These characters can be square and simple as well as complicated. Muhammad Khalid Akhtar through his humorous and satirical style and his characters have very successfully portrayed the Pakistani society especially the civic life, culture and attitudes of the people of Karachi. He is a mirror of Karachi's social life and way of life. His travelogues simply describe the civilization and culture of other cities in Pakistan. The secret of the successful presentation of civilization, culture and society in his novels and travelogues is undoubtedly the art of characterization.

Keywords: Civilization and Culture, Social bitter realities, Psychology, Square Character, Round Character, Stereotypes, Frivolous Beliefs, Humor, Satire, Historical Consciousness, Karachi, Style of society.

ادیب، دانشور، محقق اور فنکار اپنے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں وہ مختلف طریقوں سے تہذیب و ثقافت اور معاشرت کو پیش کرتے ہیں۔ ادیب کا ایک اہم کام معاشرہ کی اصلاح ہے اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی تخلیقات میں ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، فرسودہ روایات اور رسومات کے جمود کو توڑتا ہے وہ ایک مصلح اور واعظ کی خوبیاں رکھنے والا ہیر و ہوتا ہے۔

بقول ڈاکٹر مبارک علی:

”کسی بھی معاشرے میں دانشور کا کردار یہ ہوتا ہے کہ وہ توہمات، تشدد، عدم رواداری، اور ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔“^(۱)

کسی بھی فنکار کے لیے اپنے عہد اور وقت کے معاشرتی حقائق اور ثقافت کے اصلی خدو خال کو پیش کرنا بھی جان جو کھوں کا کام ہے کیونکہ معاشرتی تلخ حقائق کو پیش کرتے ہوئے برسر اقتدار قوتیں ان کے ساتھ جو سلوک کرتی ہیں تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ مشہور شاعر جعفر زٹلی کی مثال لیجیے کہ بادشاہ وقت کے خلاف ایک شعر کی پاداش میں انھیں جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔^(۲) لیکن اس کے باوجود کچھ فنکار ایمانداری اور دیانتداری کو اپنا شعار بناتے ہیں وہ ریاکاری، جھوٹ اور تصنع کا مذاق اڑاتے ہیں اور حق بات کہہ کر تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ ان کے فن پارے معاشرے میں موجود رسم و رواج، اقدار و معیار، اعتقادات اور تہذیب و ثقافت کے نمونے ہوتے ہیں۔ معاشرے کی روایات، ملبوسات اور آدابِ نشست و برخاست کے سچے عکاس اور آئینہ دار ایسے ادیب، مختلف ثقافتی تجربات سے گزر کر اپنے احساسات اور افکار کا اظہار اپنی تخلیقات میں کر دیتے ہیں۔ معاشرتی اور سماجی زندگی کی مختلف سطحوں، لوگوں کی طرزِ زیست، طرزِ معاشرت، رہن سہن بود و باش اور مکمل معاشرے کی تصویر پیش کرنا ان کا ہنر اور فن ہوتا ہے۔ اور اس طرح وہ بطور مبصر اور نقاد کے معاشرتی اور ثقافتی حقائق کو صفحہ قرطاس پر پھیلا کر معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔

جب کوئی ادیب دنیا سے قوم، وطن، رنگ، نسل اور مذہب کی تفریق مٹا کر سچائی اور حق کا ترجمان ہوتا ہے تو وہ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی معاملات و واقعات مختلف علمی، لسانی، ادبی اور تعلیمی حالات پر بھرپور تبصرہ کر کے معاشرتی خرابیوں کو ان کے وسیع اخلاقی اور اقتصادی پس منظر میں سامنے لا کر معاشرہ کو با مقصد تخلیقات مہیا کرتا ہے اور لوگوں کے خیالات، میلانات اور رجحانات کا ترجمان بنتا ہے۔ جبکہ دوسری طرح کا ادیب مصنوعی ادب [Make believe Literature] تخلیق کرتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے آمر اکوہیر و بنا کر آئیڈیل روپ

محمد خالد اختر کی کردار نگاری میں تہذیب و ثقافت کی پیش کش

میں پیش کرتا ہے اس کے پاؤں میں تقلید کی بیڑیاں ہوتی ہیں اس کے فن پارے خیالی، پست، جنسی زندگی کے متعلق اور گھٹیا قسم کے ہوتے ہیں۔

بہر حال کسی بھی ادیب کے لیے معاشرہ کے تمام پہلوؤں کی عکاسی ممکن نہیں وہ جو کچھ دیکھتا ہے بیان کر دیتا ہے اس لیے مجموعی طور پر وہ معاشرت و ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اگر بات کریں کہ یہ تہذیب و ثقافت ہے کیا؟ تو تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شائستگی، خوش اخلاقی، صفائی، پاکی اور اصلاح کے ہیں۔

”تہذیب“ انسانی کائنات کی اہم ترین اصطلاح ہے۔

سبب حسن اس ضمن میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرے کی طرز زندگی اور طرز فکر و احساس کا جوہر ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان، آلات اور اوزار، پیداوار کے طریقے اور سماجی رشتے، رہن سہن، فنون لطیفہ، علم و ادب، فلسفہ و حکمت، عقائد و افسوس، اخلاق و عادات، رسوم و روایات، عشق و محبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔^(۲)

تہذیب بنیادی رویوں کی پہچان، کسی بھی معاشرے کی طرز بود و باش، رسومات، فن تعمیر، ادب، مصوری، موسیقی، اور دوسرے فنون میں ہو سکتی ہے۔ تہذیب کی سرپرست حکومت یا ریاست ہوتی ہے۔ تہذیب ایک ہمہ گیر اسلوب ریاست کا نام ہے۔ تہذیب و تمدن بھی عروج کی بلندیوں کو چھوتے ہیں اور وہ بھی زوال کا منہ دیکھتے ہیں۔ یہ دیہاتوں سے شہروں کی جانب چلتی ہے اور ارتقائی سفر جاری رکھتی ہے۔

”تہذیبوں کی ابتداء دیہات سے ہوتی ہے اور پھر یہ تہذیب شہروں میں اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔“^(۳)

ثقافت اکتسابی طرز عمل کا نام ہے اس میں وہ تمام عادات، افعال، خیالات اور اقدار شامل ہیں جنہیں ہم ایک منظم معاشرہ، گروہ یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں ثقافت میں کھانے پینے کے طریقوں سے لے کر رسم رواج، روزگار کے طریقے، جنسی جبلتیں، افکار و تصورات شامل ہیں۔ ثقافت عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ثقف [ثقف] ہے جس کا معنی زیر کی، دانائی کسی کام کرنے میں صداقت و مہارت، مختلف لغات

میں ثقافت کے معنی عقل مند ہونا، نیک ہونا، تمدن، کلچر، پاکیزہ کرنا، درست کرنا، کاشت کرنا Cultivate درج ہیں۔^(۵) اور اس سے ترقی، تربیت اور نشوونما کا مفہوم بھی لیا جاتا ہے۔ ثقافت کل زندگی کی طرز زیست اور رہن سہن کا نام ہے ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی کتاب ”پاکستانی کلچر“ میں لکھتے ہیں:

”لفظ ثقافت اور تہذیب کے معنی کو یکجا کر کے ان کے لیے ایک لفظ کلچر کا استعمال کیا ہے جس میں تہذیب و ثقافت دونوں کے مفہام شامل ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ کچھ ایک ایسا لفظ ہے۔ جو زندگی کی ساری سرگرمیوں خواہ وہ ذہنی ہوں یا جسمانی، خارجی ہوں یا داخلی احاطہ کر لیتا ہے۔“^(۶)

ثقافت ایک ذہنی رویہ ہے، یہ انسان کی اپنی سوچ کا نام ہے ثقافت میں کسی ملک یا علاقے کے مخصوص حالات، جغرافیائی کیفیت، باشندوں کی ذہنی و جسمانی خصوصیات، مذہبی عقائد، تاریخی و سیاسی ارتقاخوشیوں اور غموں کا ایک مخصوص تصور ہے۔

”ثقافت [کلچر] نام ہے ایک طرز فکر، تخلیقی روایت اور طرز معاشرت کا... کلچر کا تعلق اپنی سرزمین، مقامی رہن سہن، رسم و رواج، زبان و ادب سے بھی ہوتا ہے۔“^(۷)

ثقافت کسی بھی معاشرہ کا وہ مخصوص طرز عمل ہے جو لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتا رہتا ہے ثقافت میں تمام قسم کے انسانی رویے اور انسان کا فکری عمل شامل ہے، زندگی گزارنے کے مجموعی سلیقے کو ثقافت کہتے ہیں، ہر علاقے کی ثقافت دوسرے علاقے کی ثقافت سے مختلف ہوتی ہے موجودہ زمانے میں ثقافتی تبدیلی کی رفتار ٹیکنالوجی کی وجہ سے مزید تیز ہو گئی ہے ثقافت ایک ندی کی مانند ہے جو مسلسل بہتی ہے اور جہاں سے گزرتی ہے اپنے اثرات چھوڑتی جاتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ ثقافت ہر وقت تبدیل ہوتی رہتی ہے یہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

ثقافت کا عمل تغیر پذیر ہے ثقافت ایک ذہنی وصف ہے یہ ہمیں انسان بناتی ہے۔ ثقافت زندگی گزارنے کا فن اور طریقہ ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک زندگی بسر کرنے کے طریقوں کو ثقافت کہا جاسکتا ہے یعنی کسی معاشرے کے افراد کا طرز تمدن اور رہن سہن ثقافت ہے۔

مختلف ادیبوں نے اپنے عہد اور علاقے کی ثقافت کو اپنے فن پاروں کے ذریعے پیش کیا اور ان میں سے کچھ

ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی تحریروں میں خاص طرح کے کردار تخلیق کر کے کسی علاقے کی معاشرت کو زندہ جاوید بنادیا، ایسے علاقے کی معاشرت اور ثقافت کے کرداروں کے ذریعے پیش کرنے والے ایک بڑے ادیب "محمد خالد اختر" بھی ہیں جو کثیر الجہات شخصیت ہیں وہ افسانہ نگار، ناول نگار، سفر نامہ نگار، نقاد، پیر وڈسٹ، مترجم، خاکہ نگار اور خاص طور پر مزاح نگار ہیں۔ ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء کو بہاولپور میں پیدا ہونے والے اس بڑے مزاح نگار نے کچھ مخصوص کرداروں کے ذریعے ثقافت کو پیش کیا ہے۔ ۱۹۴۵ء تا ۱۹۸۰ء تک مختلف جگہوں پر کام کے سلسلے میں سفر کیا۔ بہاولپور، کراچی، حیدر آباد، لاہور، ملتان میں واپڈا کے محکمہ سے وابستہ رہے اور ان علاقوں میں قیام کے دوران وہاں کے حالات و ثقافت پر بھی لکھتے رہے۔ بالخصوص کراچی کے حالات کو انہوں نے کرداروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ اگر ان کی کردار نگاری کا مختصر تعارف کروادیا جائے تو بر محل ہو گا۔

فنکارانہ ہنرمندی میں کردار نگاری نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ مختلف کرداروں کے ذریعے فنکار ثقافت کو پیش کرتے ہیں۔ کرداروں کے ذریعے زمانے کے نشیب و فراز، قوموں کے عروج و زوال اور تہذیبوں کے اتار چڑھاؤ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اردو فکشن [داستان، ناول، ڈراما، افسانہ] میں جن افراد کو عمل کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے انہیں کر دار کہتے ہیں۔ عظیم الشان صدیقی لکھتے ہیں۔

”ناول نگار کا مقصد کرداروں کے ارتقائی مدارج دکھانا نہیں ہوتا بلکہ وہ کرداروں کے ذریعے مختلف طبقات اور معاشرت کی عکاسی کا کام لیتا ہے۔“^(۸)

کردار کسی عمل کو ظہور میں لانے والی اندرونی کیفیت کا نام ہے۔ افسانوی مخلوق کو ادبی زبان میں کردار کہا جاتا ہے اور کسی بھی تخلیق کے کردار مختص کردار نہیں ہوتے وہ گوشت پوشت کے بنے ہوئے محض انسان نہیں ہوتے وہ اپنے اندر ایک دنیا سموئے ہوئے ہوتے ہیں وہ اپنے دور کے نمائندہ ہوتے ہیں اور وہاں کی ثقافت کو اچھے طریقے سے پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اسی لیے اردو ادب کے بعض کردار اتنے نمایاں ہیں کہ بقائے دوام حاصل کر چکے ہیں۔ کردار نگاری میں فنکار کردار کو ایسے پیش کرتا ہے کہ سوسائٹی کے افراد سے ملتے جلتے معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں :

”اچھے کردار ہمارے دوستوں سے زیادہ دوست، عزیزوں سے زیادہ عزیز ہو جاتے ہیں ان کی بابت ہر طرح کی باتیں ہم پر روشن ہو جاتی ہیں۔“^(۹)

افسانوی ادب میں جب داستانوں کے کرداروں کی بات کریں تو ان کا ماحول انسانی سوچ سے بالاتر معلوم ہوتا ہے جبکہ ناول میں جو کردار پیش کیے جاتے ہیں وہ ہماری زندگی کے بہت قریب معلوم ہوتے ہیں ان کی عادات

معاشرے کے لوگوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔

کردار بھی دو قسم کے ہوتے ہیں اول چورس یا سادہ جنہیں Flat بھی کہتے ہیں دوم مدور یا مکمل Round کہلاتے ہیں۔ ہم مختلف تخلیقات کا مطالعہ کرتے ہیں تو کچھ کردار اچھے ہوتے ہیں یا برے ان کی زندگی اچھے یا برے کے بغیر کوئی دوسرا رخ نہیں جانتی جبکہ کچھ کردار کہانی کے دوران بڑھتے اور پھولتے ہیں۔

سید عابد علی کرداروں کی اس تقسیم کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”اس مسئلے پر کم و بیش اتفاق رائے ہے کہ کردار اصل میں دو قسم کے ہوتے ہیں

ایک ٹائپ یا جامد اور دوسرے ڈرامائی یا متحرک۔“^(۱۰)

جامد کردار وہ ہوتے ہیں جن میں پلک نہ ہو اور وہ خود کو ماحول کے مطابق نہ بدل سکیں وہ شروع سے آخر تک ایک ہی طرح رہتے ہیں یا تو بہت اچھے یا بہت بُرے اسم باسمیٰ اور مزاحیہ، کرداروں کو جامد، پلک سے پاک اور ایک ہی ڈگر پر چلنے والے کردار کہا جاسکتا ہے جبکہ دوسری قسم کے کردار ارتقائی ہیں جو شروع سے آخر تک ارتقائی سفر طے کر کے کچھ سے کچھ بن جاتے ہیں بہر حال یہ ادیب یا فنکار پر منحصر ہے کہ وہ کردار کو کس طرح پیش کرتا ہے اسی لیے سید وقار عظیم فنکار اور کردار کے اس تعلق کے بارے لکھتے ہیں:

”کردار افسانہ نگار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی معلوم ہوتے ہیں جب تک فنی تربیت کی مدد

سے انھیں ماحول اور واقعات کے مطابق نہ بنایا جائے۔“^(۱۱)

کردار اپنی گفتگو اور حرکات و سکنات سے اپنی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے ایسی صورت میں فنکار پس پردہ چلا جاتا ہے اور کردار مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ کہانی کی دلچسپی اور کامیابی کا دار و مدار بھی کردار کے عمل پر ہے ہر کردار کسی نہ کسی مقصد کے لیے تخلیق کیا جاتا ہے۔ لیکن اسے اپنے حالات کا مکمل عکاس ہونا چاہیے۔ کیونکہ افسانوی کردار کی یہ اضافی خوبی ہے کہ وہ حقیقی زندگی اور اس نفسیات کی نہایت عمدہ ترجمانی کرتا ہے جس ماحول میں وہ رہ رہا ہو تا ہے۔ ادیب یا فنکار کردار نگاری کا سہارا لے کر سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حالات ہمارے سامنے لاتا ہے اس کے علاوہ عوامی زندگی، رویے اور فکر و احساس کی بہترین عکاسی کے لیے کردار بہترین ذریعہ ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

”اچھا فنکار جس وقت اپنے کسی کردار سے روشناس کرتا ہے تو کچھ ایسا طریقہ

اختیار کرتا ہے کہ اس کردار کی کم از کم ایسی کچھ خصوصیات پڑھنے والے کے

سامنے ضرور آجاتی ہیں جو اس کے ذہنی، جذباتی اور اخلاقی خصائص کو واضح کرتی ہیں۔“ (۱۲)

تخلیق کار ایسا کردار پیش کرتا ہے جس کا وجود اس زمانے میں ہوتا ہے جس زمانے میں وہ زندگی بسر کرتا ہے اس لحاظ سے ادیب تہذیب و معاشرت اور ثقافت کا بہترین ترجمان ہے۔

محمد خالد اختر اونچے قد، تیکھے نقوش، نحیف و نزار قسم کے انسان تھے ایک وضع دار ملنسار اور مخلص انسان کی خوبیاں رکھتے تھے۔ جھوٹ، تصنع، نمود و نمائش سے دور بھاگنے والے خالد اختر کی پہچان بحیثیت مزاح نگار ہے انھیں قدرت کی طرف سے اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں۔ وہ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے محافل میں جانے سے گھبراتے تھے واپڈا میں انجینئر کے طور پر کام کیا۔ دنیا والوں سے وہ ان کی طوطا چاشمی اور عیارانہ رویہ کی بنا پر کٹ گئے تھے اور اپنی دنیا میں مگن رہنے والے انسان تھے لکھتے تھے اور لکھنا اپنے لیے فرض عین سمجھتے تھے۔

لکھنا تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی شروع کر دیا تھا لیکن سوائے چند مضامین کے ان کا زیادہ کام آزادی کے بعد منظر عام پر آیا۔ ان کی بے شمار تحریروں مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنیں خطوط کے مجموعے، مضامین، افسانے، خاکے، سفر نامہ وغیرہ میں ان کو بطور مزاح نگار شہرت حاصل ہوئی ان کی تحریروں میں کردار نگاری کا مقام نہایت بلند ہے ان کرداروں کے ذریعے وہ معاشرے کے باطن میں جھانکتے نظر آتے ہیں اور تہذیب و ثقافت کو پیش کرتے ہیں۔

خالد اختر ایک مغربی قسم کے مشرقی آدمی ہیں ان کی زبان انگریزیت زدہ ہے ان کے جملے بعض اوقات انگریزی جملوں کا ترجمہ ہوتے ہیں اور ایک متواتر محسوس ہونے والا خفیف طنز ان کی تحریروں کی خاصیت ہے اپنی کتاب "کھویا ہوا فٹ" کے دیباچے میں خود لکھتے ہیں کہ:

”میں انگریزی میں سوچتا ہوں اور اردو میں لکھتا ہوں۔“ (۱۳)

انکی تحریروں میں انگریزی ادب کی واضح چھاپ نظر آتی ہے۔ "میس سو گیارہ" خالد اختر کی پہلی تصنیف ہے اس میں انھوں نے مستقبل کو حال میں پیش کیا ہے۔ یہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہونے والا ناول ہے جس میں ایک تخیلی ملک کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو اصل میں قیام پاکستان کے اولین دور کی روداد ہے۔

”یہ ناول جارج آرویل کے ناول نائنٹین ایٹی فور [انیس سو چور اسی] کے ریویو پڑھ کر لکھا گیا۔“ (۱۴)

اس ناول کے مشہور کرداروں میں مسٹر پوپ اور سار جنٹ بزرگواروں کی ثقافت کو پیش کرتے نظر آتے ہیں حکومتوں کے پروٹوکول میں جو تکلفات، نمائش اور رکھ رکھاؤ ہے یہ کردار ان کا کچا چھٹا کھول کر رکھ دیتے ہیں وزیروں کے رنگ ڈھنگ سوچنے اور کام کرنے کے انداز سیاسی پارٹیوں اور کمیونسٹوں کے کام کرنے کے طریقے ادیبوں کی گروہ بندیاں وغیرہ پر طنز و مزاح سے کام لیتے ہوئے مختلف پہلوؤں سے مشرقی اور مغربی رویوں کو دکھایا گیا ہے بالخصوص یورپ کے طرز معاشرت کو کرداروں کے ذریعے بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

ان کرداروں کا خاص کام سیاسی و معاشی اور معاشرتی زندگی کے مصنوعی پن کا طنز یہ انداز میں بیان ہے۔ فسطائی حکومتوں کو آڑے ہاتھوں کبھی لیا گیا ہے معاشرے کی ثقافت اور رویوں کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ بیس سو گیارہ کہنے کو فنیٹسی ہے مگر اس وقت کے ملکی حالات، سیاسی منظر اور ثقافت کو پیش کرنے کا جو انداز خالد اختر نے اپنایا ہے وہ انھیں دوسرے ادیبوں سے منفرد کرتا ہے۔

خالد اختر کا ایک مشہور زمانہ ناول ”چاکی واڑہ میں وصال“ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا جس کے کردار سماجی اونچ نیچ، عدم مساوات اور معاشرتی مسائل کا ذکر کرتے ہیں اور خاص طور سے نچلے طبقے کے کردار کراچی کے ایک محلہ ”چاکی واڑہ“ کی زندگی کو ہمارے سامنے لاتے ہیں اس ناول کے کرداروں کے متعلق مصنف رقم طراز ہے :

”اس کتاب کو دو چیزوں نے انسپائر کیا ایک چاکی واڑہ کے شہر نے جہاں میں ایک دو سال بوہیمین زندگی گزارا تارہا دوسرا رابرٹ لوئی اسٹیونسن نے... اس کا اصل اور حقیقی کردار چاکی واڑہ ہے باقی انسانی کردار محض ضمنی ہیں۔“ (۱۵)

اس ناول کے دو کردار ”قربان علی کٹار“ اور ”مسٹر چنگیزی“ کراچی کی ثقافت کو پیش کرتے ہیں قربان علی کٹار کوئی تیز طرار شخص نہیں بلکہ بے حد سادہ لوح ہے اس کو ٹھکانا ایک بچے کو ٹھگنے سے زیادہ آسان ہے۔ بحیثیت نا دل نگار ہمارے سامنے آتا ہے وہ غربت میں پسا ہوا ایک مجبور ادیب ہے جو پبلشروں اور دوستوں کے ہاتھوں بے وقوف بنتا ہے اور اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کا مہون منت رہتا ہے۔ وہ کراچی کی تہذیب کا نمائندہ ہے۔ جبکہ اقبال چنگیزی اللہ توکل بیکری کا مالک ہے اور سارے کراچی میں اس کی ڈبل روٹی مشہور ہے۔ یہ دونوں کردار اس شہر کی تہذیب کے نمائندہ ہیں اور بہت حد تک یہ کردار شفیق الرحمان کے کرداروں سے مشابہت رکھتے ہیں شفیق الرحمن کے کردار ”شیطان“ اور خالد اختر کے ”قربان علی کٹار“ میں فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان ہمیں گلیمر کی دنیا کی سیر کراتا ہے اور قربان علی کٹار کراچی کے محلہ جو کچھڑ اور بدبو، گندگی اور تاریکی سے بھرا پڑا ہے یعنی ”چاکی واڑہ“ کے حالات دکھاتا ہے دونوں کرداروں کی عادات اور حرکات و سکنات ملتی جلتی ہیں۔ قربان علی کٹار نچلے طبقے کا وہ

نمائندہ ہے جو دودھ والے اور پرچون والوں کا بھی مقروض ہے اور ان سے جان بچانے کے لیے چھپتا ہے انہیں چکر دیتا ہے اس کی حالت ناکام عاشق کی سی ہے وہ خود بھی عشق میں ناکام ہوتا ہے اپنے حالات کار و نار و تانا ہوا ”قربان علی کٹار“ اصل میں چاکی واڑہ کی حالت زار کو بیان کر رہا ہے۔

کراچی کے حالات بیان کرتے ہوئے وہاں کے عیاروں، جھوٹوں اور ڈھونگیوں کا ذکر ہوتا ہے تو ”پروفیسر شاہسوار“ پیسے بٹورنے والا فقیر بن کر سامنے آتا ہے جو بہرہ اور اندھا بن کر دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ انگوٹھی بیچنے کا انداز ملاحظہ ہو:

”اگر حاضرین میں سے کسی کو مقدمے میں کامیابی نہ ہوتی ہو کسی کا معشوق اس سے روٹھا ہو، خاوند بیوی کو طلاق نہ دیتا ہو اور بیوی طلاق چاہتی ہو، سر میں درد ہو تانا ہو تو اس انگوٹھی کی کرامات سے اور سلیمان پیغمبر کے حکم سے سب مشکلیں دور ہو جائیں گی اور ہر نامراد اپنی مراد کو پہنچے گا۔“ (۱۶)

انگوٹھی سے نوکری ملنا، محبوب کا وصال ہونا، کاروبار میں ترقی ملنا جیسی باتوں پر اعتماد کرنا سادہ لوح لوگوں کی اعتقادات ہیں جبکہ پروفیسر شاہسوار جسے بہروپے اپنی عیاری سے دقیا نو سیت اور فضول اعتقادات پر یقین رکھنے والوں کو مزید بے وقوف بنا کر اپنی جیبیں گرم کرتے ہیں۔ کراچی کا یہ علاقہ ”چاکی واڑہ“ ان کرداروں کی بدولت زندہ جاوید ہو گیا ہے۔ چاکی واڑہ کے ان پڑھ اور جاہل طبقے کو رام کرنے کے گروں سے واقف ایک کردار ”ڈاکٹر غریب محمد“ کا بھی ہے جو کہ نہ صرف جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہے بلکہ عورتوں کے ”جن اتارنے“ میں بھی ماہر ہے۔ وہ چاکی واڑہ کے کئی گھروں میں موت کا فرشتہ بن کر جا چکا تھا لیکن لوگوں کا عقیدہ ایسا تھا کہ وہ غریب محمد کی گولیوں سے مرنا پسند کرتے تھے مگر ہسپتال نہ جاتے تھے۔ خالد اختر نے پروفیسر شاہسوار جیسے جعل ساز اور قربان علی کٹار جیسے مفت خورے کرداروں میں چاکی واڑہ کے مقامی عناصر کو پیش کیا ہے۔ اس ناول کو چاکی واڑا کا مضحک خاکہ [Caricature] کہیں تو بہتر ہو گا یہ پکار سک ناول ہے جس کے کرداروں کے ذریعے ہم کراچی کے محلے چاکی واڑا میں مقیم لوگوں کے ذہنی رویوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

رؤف پارکھ ان کرداروں اور کراچی کی معاشرت کے متعلق بیان کرتے ہیں:

”کراچی کی پس ماندہ بستی ”چاکی واڑا“ کی انھوں نے اپنے ناول ”چاکی واڑہ میں وصال“ میں اس طرح نقاشی کی ہے کہ چاکی واڑہ کے گلی محلے وہاں کے عجیب و غریب اور دلچسپ کردار [مثلاً ڈاکٹر غریب محمد، شیخ قربان علی کٹار وغیرہ] وہاں

کے شعبہ باز، طلسمی انگوٹھیاں بیچنے والے، ماہر روحانیت، چاکی واڑہ کی زندگی وہاں کی گندگی اور پس ماندگی غرض سب کچھ زندہ جاوید ہو گیا ہے۔“ (۷۷)

”کھویا ہوا فق“ خالد اختر کی آدم جی ایوارڈ یافتہ کتاب ہے جس میں سولہ مضامین، افسانے، سفری مضامین اور طنزیہ خاکے ہیں اس کتاب میں خالد اختر بحیثیت افسانہ نگار، پیر وڈی نگار اور سفری کہانیاں لکھنے والے کے طور پر سامنے آتے ہیں اس کتاب کی تحریروں میں انھوں نے معاشرے کی سچی تصویر پیش کی ہیں۔

سائیں حیدر علی فنک اور مسٹر گھامڑ کے کردار ماحول کی مناسبت سے ہیں۔ چچاسام کے نام آخری خط میں سعادت حسن منٹو کے اسلوب کی نقل کی گئی ہے ان کے کردار جعلی لوگوں کے چہروں سے نقاب ہٹاتے معلوم ہوتے ہیں۔

”مسکراتا ہوا بدھ“ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا جو ایک المیہ کہانی ہے اور اس میں کامیڈی کی رمق بھی موجود ہے۔ اس میں بھی چاکی واڑہ علاقے کی ثقافت موجود ہے دو مرکزی کردار ایک چینی دند ان ساز اور ایک ناکام فلمی کامیڈین لوگوں کے رویوں کے عکاس بن کر سامنے آتے ہیں یہ ناول لاہور کے رسالے سویرا میں شائع ہوا تھا۔ چاکی واڑہ کے کئی منفی کردار بھی اس ناول کا حصہ ہیں۔

چینی دند ان ساز ”آہ فنگ“ ہے جو نیم مزاحیہ کردار ہے جبکہ دوسرا کردار سابقہ فلم کامیڈین ”چکوڑی“ ہے۔ یہ ناول ”چاکی واڑہ“ میں موجود عیاروں کی عیاریوں کے بارے میں بھرپور طنز بھی ہے ”چکوڑی“ بھی بدلتے کاہنر جانتا ہے اردوسروں سے ملنے کے لیے مختلف بہروپ بھرتا ہے۔ چکوڑی کا کردار پروفیسر شاہسوار حبیب ہے لیکن پروفیسر شاہسوار کی مکاری اور عیاری کسی حد تک قابل برداشت ہے۔ وہ لوگوں کو حیلے بہانے بنا کر ٹھگتا ضرور ہے لیکن کسی کی جان نہیں لیتا جبکہ ”چکوڑی“ ایسا ظالم اور سفاک ہے کہ پیسوں کی خاطر کسی کی جان لینے سے بھی باز نہیں آتا۔ چکوڑی نے ”آہ فنگ“ کو قتل کیا اور اس کے پیسے ہتھیائے اور خود اس کا انجام بھی دردناک موت تھا۔ ایک کردار ”ساجی“ کا ہے جو جسم فروشی کا دھندہ کرنے والی عورتوں کی حالت اور ذہنی کیفیت بیان کرتی ہے۔ وہ شوخ، منہ پھٹ لڑکی ہے سر پر پاکباز بیبیوں کی طرح دوپٹہ اوڑھے رکھتی ہے لیکن اصل میں کراچی کے علاقے کی جسم فروش لڑکیوں کی داستان لیے ہوئے ہے۔

”وہ بولی کل ہم دہی جا رہے ہیں ایک سپلائے ہے۔ باتھ آئی لینڈ میں رہتی ہے وہ مجھے اور چند لڑکیوں کو دہی لے جا رہی ہے دہی میں بڑا مال ہے میرے تین چار مہینے لگ گئے تو پچاس ساٹھ ہزار روپے کمالائیں گی۔“ (۱۸)

خالد اختر کی تحریروں کا ذائقہ الگ ہے وہ مزاح نگار سے زیادہ طنز نگار ثابت ہوتے ہیں اپنی تحریروں میں وہ ایک جادو گر کے روپ میں سامنے آتے ہیں کہ قاری ان کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ معاشرے کی کمیوں اور کجیوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ وہ کراچی کی معاشرتی زندگی اور طرز زریست کے آئینہ دار ہیں، خالد اختر کے سفر ناموں میں بھی پاکستان کے دوسرے شہروں کی تہذیب، وہاں کے رسم و رواج اور حالات بیان کیے گئے ان کے سفر ناموں میں داستان طرازی منظر کشی آپ بیتی، جگہ بیتی کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ معلومات کے ذخائر موجود ہیں وہ اندرون ملک کے سفروں پر مشتمل خالص سفر نامہ نگاری کے بانی ہیں۔ ”دوسفر“ کے نام سے ان کی کتاب میں ہمیں لاہور، شیخوپورہ، چنیوٹ، سرگودھا، جوہر آباد، بالاکوٹ، ناران، کاغان، جھیل سیف الملوک، خوشحال خان خٹک کا گاؤں اور بہت سی جگہوں کے رسم و رواج، رجحانات و میلانات، تاریخ، تہذیب و ثقافت سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور ہم خود کو ان علاقوں میں سیر کرتا محسوس کرتے ہیں۔ منیر نیازی ان سفر ناموں کے متعلق لکھتے ہیں :

”مطالعہ شروع کیا تو مجھے یوں لگا جیسے محمد خالد اختر میری انگلی پکڑے مجھے اپنے ساتھ سفروں پر لے جا رہے ہیں... کسی نے اگر پاکستان کے خطے نہیں دیکھے جن سے خالد اختر کا گزر ہوا ہے تو وہ ان خطوں کے لینڈ سکیپ کی رنگین تصاویر کو ان تحریروں میں دیکھ سکتا ہے۔“ (۱۹)

ان کے سفر ناموں کی کامیابی کا راز ان کی کردار نگاری ہے وہ کرداروں کو پیش کرتے ہوئے اس کی اچھائیوں اور برائیوں کا ذکر کرتے ہیں ان کے کرداروں میں سماجی تنقید اور تاریخی شعور نظر آتا ہے۔ وہ کرداروں کے ذریعے بیانیہ اور سادہ انداز اختیار کر کے مختلف طبقوں کی زندگی کو سامنے لاتے ہیں۔

”ابن جبیر اندلسی“ کے سفر نامہ کا ترجمہ ”ابن جبیر کا سفر“ کے عنوان سے ایک منفرد تحریر ہے جو ابن جبیر کے سفر نامے کی تلخیص ہے۔ یہ پہلے ”نصرت“ میں ماہانہ اقساط کی صورت میں چھپی اس میں خالد اختر کا ترجمہ تبصرہ، وضاحت، صراحت اور مخصوص اسلوب نظر آتا ہے۔ ابن جبیر نے جہاں عربوں کی معاشرتی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی معلومات پہنچائیں وہاں خالد اختر اس وقت کے رسم و رواج اور عادات و اطوار اور مسائل کا موازنہ موجودہ دور سے کرتے نظر آتے ہیں۔ ”لالین اور دوسری کہانیاں“ اس مجموعے میں کل بارہ کہانیاں شامل ہیں ان کی اشاعت اول کا سال ۱۹۹۷ء ہے۔ یہ مختلف ادبی رسائل کی زینت بنیں بعد میں ۲۰۱۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے کچھ مزید کہانیوں کو شامل کیا اور اکیس کہانیوں پر مشتمل کتاب ”مجموعہ محمد خالد علی جلد سوم افسانے“ کے نام سے شائع کیا اس

کتاب کے کرداروں میں ننھانا ٹھجی غریب اور پسے ہوئے طبقے کی حالت زار کو بیان کرتا ہے ”جوڑی اور میں“ ایک کتے کی کہانی ہے جوڑی ایک کتا ہے جس کے ذریعے کتوں کی حرکات و عادات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں پطرس بخاری کے اسلوب کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ زندگی کی کہانی میں چاچی شر پھو، اللہ داد، بھاگ بھری مصلن، رنی اکبر کے کرداروں کے ذریعے دیہاتی رسم و رواج اور شادی کی رسومات بیان کی گئی ہیں۔ ”جاکنی“ کا کردار عورتوں کی بے بسی اور مجبوریوں کا بیان ہے اور دھوکے باز مردوں، پانڈوں، سادھوں پر بھرپور طنز بھی ہے۔ اس کتاب میں گل خان، گل آفتابی، کے کرداروں کے ذریعے معاشرے میں چھپے حاسدوں کو نشانہ طنز بنایا گیا ہے۔

جعفر اور ڈاکٹر جگدیش کے کردار ڈاکٹروں کے بھیس میں چھپے بھیڑیوں کے نمائندے ہیں جو غریبوں سے پوسٹ مارٹم تک کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ ”لائین“ افسانے میں شیر علی، مستری گلاب دین، مستری مہتاب دین، رضیہ اور رحیم بخش کے کردار ہیں۔ رحیم بخش کے کردار کے ذریعے انسانوں میں چھپے حیوانوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ اسی طرح ”آخری دن“ افسانے میں عورتوں کے سفاک ارادوں اور ظالمانہ سلوک کا بیان ہے کہ جب ایک شخص کی بیوی وفات پا جاتی ہے اور وہ دوسری شادی کرتا ہے تو وہ عورت کس طرح اس شخص کے پہلے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار کر ظلم کی داستان رقم کرتی ہے تاکہ اس کے ہاں پیدا ہوئے بیٹے کو جائیداد مل سکے:

”ایک دن وہ ایک کھیل کھیلی اپنے سوتیلے بیٹے سے جواب جو ان ہو چکا تھا بڑے چاؤ سے پیش آئی اور اسے اپنے ہاتھ سے دودھ کا گلاس پلایا، لڑکے کے دل میں کوئی وسوسہ نہ تھا وہ دودھ پی گیا، یہ گمان کیے بغیر کہ اس امرت میں زہر ملا ہے... وہ مر گیا... جب باپ پر پورا حال کھلا کہ اس لڑکے کی موت کیونکر ہوئی تو فرط غم سے اس نے اپنے حواس کھو دیے... بیٹے کی موت کے چند ماہ بعد وہ اس سے جا ملا۔“ (۲۰)

”ایک جنازے“ پر مکمل طور پر مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون ”مردہ بدست زندہ“ کا چرہ ہے جس میں لوگوں کے رویوں پر طنز ہے جو جنازے کو بھی سوشل فنکشن سمجھتے ہیں۔ خالد اختر کے افسانوں کے کردار معاشرے کی سچی تصویریں ہمارے سامنے لاتے ہیں لوگوں کا طرز معاشرت، ذہنی رویے، تہذیب و ثقافت ان کے افسانوں کا خاصا ہیں۔ خالد اختر کردار تراشنے کا جادو جانتے ہیں اور خود بھی ان افسانوں میں زندہ کردار کی طرح موجود ہیں ان کے افسانوں میں ماحول اور موضوع کا اچھوتا پن باقی ادیبوں سے منفرد ہے لیکن ان کے افسانوں کی سب سے خاص چیز ان کے تخلیق کردہ ماحول میں رچے بسے کردار ہیں۔

محمد خالد اختر نے اردو ادب کو ”چچا عبد الباقی“ جیسا مزاحیہ کردار بھی دیا ہے جس کا ایک ساتھی بختیار خلجی بھی

موجود ہے۔ جو ہر اسکیم اور کاروبار میں اس کے ساتھ ہے، ان دونوں کرداروں کو ہم مسٹر پوپو اور سارجنٹ بزنز [بیس سو گیارہ کے کردار]، قربان علی کٹار اور مسٹر چنگیزی [چاک وائرہ میں وصال کے کردار] کی ترقی یافتہ شکل بھی کہہ سکتے ہیں۔ چچا عبد الباقی اور بختیار خلجی باؤلوں یا احمقوں کا جوڑا ہے جو اپنی مخصوص حرکات اور کاروباری اسکیموں کی ناکامیوں سے کراچی کے لوگوں کے ذہنی رویوں، ان کی مکاریوں اور عیاریوں کا پردہ چاک کرتے ہیں، چچا عبد الباقی کہانیوں کا ایک سلسلہ اور خالد اختر کی مزاح نگاری کا ستون ہے۔ چچا عبد الباقی کی اسکیمیں اور حماقتیں ہمارے لیے دلچسپی لیے ہوئے ہیں۔ چچا عبد الباقی کاروباری معاملات کا ماہر ہے جو اپنی چکنی چڑی باتوں سے بختیار خلجی سے کاروبار میں پیسے لگو کر ہر بار نقصان اٹھاتا ہے۔ ان کہانیوں میں بھی مقامی اثرات موجود ہیں۔

اس کردار کے بارے جابر علی سید لکھتے ہیں:

”چچا عبد الباقی معاشرے پر طنز بھی ہے اور میٹرو پولیٹین شہروں کے تجارتی اور اخلاقی کشمکش کا آئینہ بھی۔“ (۲۱)

خالد اختر نے چچا عبد الباقی کو ایک عیار، حاضر جواب، مفاد پرست، ہٹ دھرم آدمی دکھایا ہے جو اپنی ناکامی کو دوسروں کے سر ڈالتا ہے جبکہ بختیار ایک بے وقوف سادہ لوح انسان ہے۔ چچا عبد الباقی کا کردار اصل میں پی جی وڈ ہاؤس [P. G. Wood House] کے انکل جیوز سے متاثر ہو کر تخلیق کیا گیا ہے۔ اور اس کردار کے ذریعے کراچی کے کاروباری سیٹھوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ دھوکے باز بیوپاریوں کی چالاکیاں مارکیٹ کے اجارہ دار، چار سو بیس قسم کے لوگ خالد اختر کے طنز کا نشانہ بنتے ہیں۔ کراچی کے ماحول کے گہرے نقوش اس کردار میں موجود ہیں۔ اس کردار کے ذریعے طنز کا ایک پہلو ملاحظہ ہو کہ چچا عبد الباقی ”مچھلیاں اور عبد الباقی“ کہانی میں کس طرح دفتری عملے پر طنز کرتے ہیں:

”ایک تو کلرک کا کمیشن تھا جو ہم سے ٹینڈر لے گا ورنہ وہ اسے گم کر سکتا ہے۔ پھر اس شخص کا کمیشن ہو گا جو دوسرے ٹینڈر دینے والوں کے ٹینڈر کھول کر ہمیں ان کا آفر بتائے گا۔ پھر ہیڈ کلرک تھا۔“ (۲۲)

اس کردار کے ذریعے کراچی کے ایک خاص ماحول سے بار بار واسطہ پڑتا ہے چچا جیسے صاحب تنخیل آدمی کی کاروبار کی منصوبہ بندی اپنی جگہ لیکن اس کی حماقتیں اور نا تجربہ کاری کی بدولت ناکامی بار بار اس کا منہ چڑھاتی ہے اور مطلبی، عیار لوگوں کی سفاکی اور چالاکی ان اصل چہروں سے آگاہ کرتی ہے۔ ان کہانیوں کی طنز کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اور چچا عبد الباقی کے ظاہری مزاج اور خوش طبعی کے پیچھے انسانی کردار کی کمزوریوں اور بناوٹوں کا المیہ ہے۔ کاروباری

لوگوں کی سازشوں، ہتھکنڈوں کا تذکرہ ایسے انداز میں کیا گیا ہے کہ سادہ لوح انسان اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتے ہیں، انسانی رویوں پر کاٹ دار طنز ہے۔ چچا عبد الباقی مختلف کاروبار کرتا ہے کبھی وہ ماہنامہ جاری کرتا ہے کبھی عمارت بنانے کا ٹھیکہ لیتا ہے تو کبھی ڈرائیور اور خانساں بنا نظر آتا ہے کبھی تیل بیچنے والا ہوتا ہے اور کبھی شوخ اور کھلنڈرے لوگوں جیسی حرکتیں کر گزرتا ہے۔ کبھی بھیس بدل لیتا ہے اور برقع پوش خاتون بن کر قرض لینے والوں سے چھپتا ہے کبھی پیسے کی آگ بجھانے کے لیے براتوں میں شامل ہو کر دولہا کو مبارک باد دیتا ہے۔ وہ ہر فن مولا شخصیت ہے۔ موقع محل کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے۔ کبھی کامیڈین، کبھی ناول نگار، ناشر، پرنسپل سیکریٹری، بچوں کا گارڈ، شو فر وغیرہ لیکن اس کے تمام منصوبے ناکام ہوتے ہیں۔ ان منصوبوں کو مزاحیہ کرداری کہانیاں کہہ سکتے ہیں:

”محمد خالد اختر کی یہ مزاحیہ کرداری کہانیاں ان کی فنی مہارت کا عمدہ نمونہ ہیں یہ تمام کہانیاں چچا بھتیجا کے اوٹ پٹانگ منصوبوں پر مشتمل ہیں جن میں وہ ہر بار حسب روایت اور حسب توقع ناکام ہوتے ہیں۔“ (۲۳)

محمد خالد اختر کے تمام کردار معاشرے پر طنز کرتے ہیں وہ معاشرے کے سچے عکاس ہیں اگر ہم صرف سارجنٹ بزر، مسٹر پوپو، قربان علی کٹار، مسٹر چنگیزی، پروفیسر شاہسوار، چکوڑی، بختیار خلجی اور چچا عبد الباقی کے کرداروں کو ہی دیکھیں تو ہمیں ان کرداروں کے ذریعے کراچی کے حالات اور وہاں کے لوگوں کے ذہنی رویے سمجھ آتے ہیں یہ کردار کراچی کی تہذیب و ثقافت کے سچے عکاس ہیں اور وہاں کی مقامی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ سرشار نے ”فوجی“ کے ذریعے لکھنوی تہذیب بیان کی، عبد الحلیم شرر بھی لکھنوی تہذیب کو پیش کرتے ہیں ڈپٹی نذیر احمد اور فرحت اللہ بیگ دہلوی تہذیب کے نمائندے ہیں۔ چارلس ڈکنز نے لندن کے حالات بیان کیے ہیں۔ اسی طرح محمد خالد اختر کراچی کی طرز زیست اور ثقافت کو کرداروں کے ذریعے پیش کرنے میں نمایاں حیثیت اور اہم مقام کے حامل ہیں۔

حواشی

- ۱۔ ڈاکٹر مبارک علی، پاکستانی معاشرہ (لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۵۴
- ۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء)، ص ۶۹۴
- ۳۔ سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، (کراچی: مقصود پریس، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۸
- ۴۔ ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ کے نظریات، (لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۸۱
- ۵۔ مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات [مرتبہ]، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء)، ص ۳۸۶

محمد خالد اختر کی کردار نگاری میں تہذیب و ثقافت کی پیش کش

- ۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، پاکستانی کلچر، (کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵ء)، ص ۴۲
- ۷۔ شیخ محمد اکرم، پاکستان کا ثقافتی ورثہ، ترجمہ، افتخار احمد شیرانی، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۱ء)، ص ۵
- ۸۔ عظیم الشان صدیقی، اردو ناول آغاز و ارتقاء: ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۳ء، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۹ء)، ص ۲۸۵
- ۹۔ ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، ناول کیا ہے (لاہور: اردو کا دمی، ۱۹۶۴ء)، ص ۲۶
- ۱۰۔ سید عابد علی عابد، اصول انتقاد ادبیات، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۹۸
- ۱۱۔ سید وقار عظیم، فن افسانہ نگاری، (دہلی: ایجو کیشنل بک ہاؤس، ۱۹۲۸ء)، ص ۱۲۲
- ۱۲۔ عبدالقادر سوری، کردار اور افسانہ یعنی دنیائے افسانہ، (حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمی، ۱۹۲۹ء)، ص ۹۷
- ۱۳۔ محمد خالد اختر، کھویا ہوا آفاق، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، سن)، ص ۷
- ۱۴۔ ایضاً، مجموعہ محمد خالد اختر، جلد اول (ناول)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۰۷
- ۱۵۔ ایضاً، چاکلی واڑہ میں وصال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۳
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۷۲
- ۱۷۔ ڈاکٹر رؤف پارکھ، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی و ساری پس منظر، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۶ء)، ص ۳۸
- ۱۸۔ محمد خالد اختر، مسکراتا ہوا ابدہ، مشمولہ مجموعہ محمد خالد اختر، جلد اول (ناول)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۷۷
- ۱۹۔ منیر احمد شیخ، تبصرہ مشمولہ فنون، شمارہ نمبر، جون، ۱۹۸۵ء، ص ۵۱۱
- ۲۰۔ محمد خالد اختر، آخری دن، مشمولہ مجموعہ محمد خالد اختر، جلد سوم، (افسانے)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۵۳
- ۲۱۔ جابر علی سید، عہد حاضر کا ایک ہیومنسٹ مشمولہ فنون، شمارہ جون، جولائی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۷
- ۲۲۔ محمد خالد اختر، مچھلیاں اور عبد الباقی مشمولہ مجموعہ چچا عبد الباقی، جلد چہارم، (کہانیاں)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۷۳
- ۲۳۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، محمد خالد اختر: شخصیت و فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء)، ص ۹۸

ماخذ

- ۱۔ اختر، محمد خالد، کھویا ہوا آفاق، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، سن
- ۲۔ _____، مجموعہ محمد خالد اختر، جلد اول (ناول)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)
- ۳۔ _____، چاکلی واڑہ میں وصال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
- ۴۔ _____، مسکراتا ہوا ابدہ مشمولہ مجموعہ محمد خالد اختر، جلد اول (ناول)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)
- ۵۔ _____، آخری دن، مشمولہ مجموعہ محمد خالد اختر، جلد سوم، (افسانے)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)
- ۶۔ _____، مچھلیاں اور عبد الباقی مشمولہ مجموعہ چچا عبد الباقی، جلد چہارم، (کہانیاں)، (کراچی: اوکسفر ڈیونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)

محمد خالد اختر کی کردار نگاری میں تہذیب و ثقافت کی پیش کش

پریس، ۲۰۱۱ء

- ۷۔ اکرام، محمد، پاکستان کا ثقافتی ورثہ، ترجمہ، افتخار احمد شیرانی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۱ء
- ۸۔ پارکھ، رؤف، ڈاکٹر، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی و ساری پس منظر، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۶ء
- ۹۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء
- ۱۰۔ _____، پاکستانی کلچر، کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵ء
- ۱۱۔ حسن، سبط، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، کراچی: مقصود پریس، ۲۰۰۰ء
- ۱۲۔ سروری، عبدالقادر، کردار اور افسانہ یعنی دنیائے افسانہ، حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمی، ۱۹۲۹ء
- ۱۳۔ صدیقی، عظیم الشان، اردو ناول آغاز و ارتقاء: ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۹ء
- ۱۴۔ عابد، عابد علی، سید، اصول انتقاد ادبیات، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء
- ۱۵۔ عظیم، وقار، سید، فن افسانہ نگاری، دہلی: امپو کیشنل بک ہاؤس، ۱۹۲۸ء
- ۱۶۔ علی، مبارک، ڈاکٹر، پاکستانی معاشرہ، لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء
- ۱۷۔ _____، تاریخ کے نظریات، لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء
- ۱۸۔ فاروقی، احسن، ڈاکٹر، ہاشمی، نور الحسن، ڈاکٹر، ناول کیا ہے، لاہور: اردو کاؤمی، ۱۹۶۴ء
- ۱۹۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات [مرتبہ]، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء
- ۲۰۔ ورک، اشفاق احمد، ڈاکٹر، محمد خالد اختر: شخصیت و فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء

رسائل و جرائد

- ۱۔ فنون، شمارہ جون، جولائی، ۱۹۸۱ء
- ۲۔ فنون، شمارہ مئی، جون، ۱۹۸۵ء